اسلام میں سزائے ارتداد

قسط دوم ——— از عبدالحمید صدیقی

جناب ایس اے رحمان صاحب نے صحیح بخاری کی ایک حدیث نقل کی ہے جو قتلِ مرتد کے معاملہ میں قطعی اور حتمی حکم کی حیثیت رکھتی ہے یعنی ——— مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ ——— اس حدیث کو صاحبِ موصوف نے درج تو کر دیا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ سارا زور اس بات پر صرف کیا ہے کہ کسی طرح اس حدیث کو لفظی اور معنوی اعتبار سے ناقابلِ حجت بنایا جا سکے۔

مگر اسے فاضل مؤلف کی بے بسی سمجھئے کہ اسی مفہوم کی ایک اور روایت جسے امام مالک نے الموطا میں نقل کیا ہے اُن کے سامنے آ گئی ——— مَنْ غَيَّرَ دِيْنَهٗ فَاضْرِبُوْا عُنُقَهٗ ——— اور ان کے استدلال پر پانی پھیر گئی۔ آخر جب کوئی چارۂ کار نہ رہا تو فاضل مصنف نے کچھ اس طرح کی باتیں کرنا شروع کر دیں "ممکن ہے راوی نے حدیث کا مفہوم بیان کیا ہو اور اسے صحیح الفاظ یاد نہ رہے ہوں"۔ ان کے نزدیک صحیح الفاظ فاضربوا عنقہ نہ تھے جن کا واضح اور غیر مبہم معنیٰ ——— پس اس کی گردن مار دو ——— ہے بلکہ فَاقْتُلُوْا ہے جو استعارۃً خیالات و نظریات کو قتل کرنے کے لیے بھی استعمال ہو سکتا ہے یا جناب رحمٰن صاحب کی نظر میں اس سے یہ معنیٰ بھی مراد لیے جا سکتے ہیں کہ اس کے ساتھ ایسا سلوک کرو جیسے وہ مردہ ہو اور اس کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ دو۔

فاضل مصنف اس ملک کے ایک معروف اور کہنہ مشق ادیب ہونے کے علاوہ عرصۂ دراز تک عدالت کے اونچے منصب پر بھی فائز رہے ہیں اس لیے ان سے یہ حقیقت کبھی مخفی نہیں ہو سکتی کہ حدود و تعزیرات کے احکام کی استعاروں کی مدد سے تاویل و تعبیر کیا نتائج پیدا کر سکتی ہے۔ حدیث کے الفاظ صاف طور پر ظاہر کر رہے ہیں کہ یہ ایک حکم شرعی ہے اور اس میں استعارے کی مدد سے تاویل کی کوئی گنجائش نہیں۔

صحیح البخاری اور الموطا کی مذکورہ دونوں احادیث کے بعد شیخ صاحب نے مختلف کتب احادیث میں مندرج اس سلسلہ کی تمام احادیث کو یکے بعد دیگرے لیا ہے اور ایک ایک حدیث کے نقائص و عیوب بیان کیے ہیں۔ کسی حدیث کے راوی کا ضعف و کذب بیان کیا ہے۔ کہیں متنِ حدیث کے الفاظ میں (نہ کہ معنی میں) معمولی اختلاف

کو بنیاد بنا کر صحتِ حدیث میں شک کیا ہے۔ اور کہیں یہ کہہ دیا ہے کہ صحابی کو پوری بات سمجھنے میں ناکامی ہوئی ہے۔
اور آخر میں ارتداد کی سزائے قتل میں بعض مستثنیات مثلاً پاگل، مریض حالتِ نشہ میں اعلانِ ارتداد کرنے والا، مخنث اور عورت کے بارے میں فقہا کے جزئی و فرعی اختلاف کا سہارا لے کر نیز بعض احادیث میں وارد ان الفاظ (اَوْ رَجُلٌ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَارْتَدَّ عَنِ الْاِسْلَامِ اور تیسرے اس آدمی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کیا جس نے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی اور اسلام سے مرتد ہو گیا) کے پیشِ نظر رحمان صاحب نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اصل میں قتل کرنے کا حکم صرف ان مرتدین سے مخصوص ہے جنہوں نے عملاً خدا اور رسول سے محاربہ کیا ہے۔ وہ لوگ جو ارتداد کے مرتکب ہو کر خاموشی سے بیٹھ گئے انہیں قتل نہیں کیا جائے گا۔ یا اگر بالفرض سب کے لیے ہی قتل کرنے کا حکم ہے تو جس طرح فقہاء نے مذکورہ لوگوں کو قتل سے مستثنیٰ کیا ہے اسی طرح (رحمان صاحب کا مشورہ ہے) کہ مرتکبِ ارتداد ہو کر خاموشی سے بیٹھ رہنے والے لوگوں کو بھی مستثنیٰ کر دیا جائے۔ اس ضمن میں ہماری معروضات حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اس معاملہ میں صریح ہیں کہ محض دین کی تبدیلی ہی موجبِ قتل ہے صحیح بخاری کی روایت مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ جو اپنے دین کو تبدیل کرے اسے قتل کر دو۔ نیز مَنْ غَيَّرَ دِيْنَهٗ فَاضْرِبُوْا عُنُقَهٗ جو اپنے دین کو بدل لے اس کی گردن مار دو۔ ان نصوص صریحہ کے بعد یہ کہنے کی کوئی گنجائش نہیں کہ دین تبدیل کرنے کے بعد عملاً برسرِ پیکار ہو جانے والے کی گردن مارو۔ حضرت معاذ کے حکم سے یمن میں جس یہودی کو قتل کیا گیا تھا اور جس فیصلہ قتل کو حضرت معاذ نے قضاء اللہ و رسولہ سے تعبیر فرمایا اس کے بارے میں صحیح بخاری کی حدیث صرف یہ بیان کرتی ہے قَالَ كَانَ يَهُوْدِيًّا فَاَسْلَمَ ثُمَّ تَهَوَّدَ۔ (حضرت ابوموسیٰ اشعری نے فرمایا یہ شخص یہودی تھا پھر اسلام لایا بعد ازاں پھر یہودی بن گیا) اگر اس نے عملاً کوئی فعلِ بغاوت کیا ہوتا تو حضرت ابوموسیٰ اس کا بھی ذکر کرتے۔ امام بخاری کی اس حدیث کو رحمان صاحب یہ کہہ کر نظر انداز کر دیتے ہیں کہ IT IS JUST PROBABLE THAT THE JEW HAD JOINED THE REBEL GROUP OF ASWAD ANSI IN YEMEN[۵۱]
سوال یہ ہے کہ جامع الصحیح کی اس حدیث کے مقابلہ میں رحمان صاحب کے اس ممکن ہے (JUST PROBABLE) کی کیا حیثیت ہے۔ شاہ ولی اللہ کے بیان کردہ طبقاتِ کتبِ حدیث میں سے جسٹس صاحب کے اس فرمان کو ہم کس درجہ میں رکھ سکتے ہیں؟ بخاری کی حدیث کو مسترد کرنے کے لیے کوئی چیز بخاری کے ہم پلہ لائیے اسے

[۵۱] صفحہ ۷۲

IT MAY BE اور JUST PROBABLE کے ساتھ رد نہیں کیا جاسکتا۔

۴۔ جناب رحمٰن نے بخاری ہی کی ایک اور حدیث (صفحہ ۱۰۶) ۔ اَوْ رَجُلٌ حَارَبَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَ اُرْتَدَّ عَنِ الْاِسْلَامِ) اور بعض دوسرے مقامات جہاں حربی یا حارب کا لفظ ان کی نظر پڑا ہے ، سے استدلال کرتے ہوئے خلط مبحث کرنے کی کوشش کی ہے کہ سزائے قتل محاربہ و فساد فی الارض کے لیے ہے ارتداد عن الاسلام کے لیے نہیں ۔ حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ محاربہ و فساد فی الارض بھی موجبات قتل میں سے ہے اور اسلام سے ارتداد و انحراف بھی ایک شخص کے قتل کو واجب کر دیتا ہے ان دونوں کو اکٹھا کرنے کے لیے کوئی مضبوط بنیاد ہونی چاہیئے۔ بیسویں صدی کے چند اشخاص کی خواہش وہ بنیاد نہیں بن سکتی ۔ حضرت علیؓ کے زنادقہ کے قتل کا جو واقعہ انہوں نے بیان کیا ہے ثابت کریں کہ ان سے کوئی فعلِ بغاوت سرزد ہوا تھا یا انہوں نے سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یا ان کے کسی گورنر سے محاربہ و قتال کیا تھا ۔ اسی طرح سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مکان کی چھت پر سے مجمع عام کو مخاطب کر کے جو فرمایا:

لایحل دم امری مسلم الا باحدی ثلث : رجل زنی بعد احصانہ فعلیہ الرجم او قتل عمدا فعلیہ القود او ارتد بعد اسلامہ فعلیہ القتل ۔	کسی مسلمان کا خون بہانا جائز نہیں سوائے تین صورتوں کے ایک وہ آدمی جس نے شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کیا ہو اس کی سزا سنگساری ہے ۔ دوسرا وہ کہ جس نے عمداً قتل کیا ہو اس پر قصاص ہے اور تیسرا وہ کہ جو اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گیا ہو اس کی سزا قتل ہے ۔

اگر محض ارتداد کوئی جرم نہ ہوتا تو حضرت عثمانؓ کو یہ بات زوردار طریقہ سے سرِ عام کہنی چاہیئے تھی کہ میں تو ابھی مرتد بھی نہیں ہوا جبکہ اسلام میں مرتد ہونے کے بعد اسلامی حکومت سے محاربہ و قتال کرنے والا گردن زدنی ہوتا ہے ۔ لہٰذا تم مجھ گھر بیٹھے کی جان کے درپے کیوں ہو ؟

رحمان صاحب کے ذہن میں ارتداد کے ساتھ محاربہ و بغاوت کا پیوند لگانے کا خیال کچھ اس طرح راسخ ہے کہ موصوف حقائق کو مسخ کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے ۔ اپنی کتاب کے صفحہ ۶۳ پہ لکھتے ہیں "یہ امر واضح ہے کہ مرغینانی (صاحبِ ہدایہ) کا تجربہ سب سے بڑی سزا (قتل) کی موثر وجہ عملاً مخالفت و محاربہ یا بغاوت کو قرار دیتا ہے" اور یہ عملاً مخالفت و محاربہ یا بغاوت (ACTIVE HOSTILITY OR REBELLION

حاشیہ ہدایہ کی جس عبارت سے نکالا گیا ہے وہ یہ ہے: ولانہ کافر حربی بلغتہ الدعوۃ اور مرتد کو اس لیے بھی بغیر مہلت دیئے قتل کر دیا جائے گا کہ وہ حربی کافر ہے جسے دعوتِ اسلام پہنچ چکی ہے۔ اور حاشیہ میں کافر حربی کی وضاحت بدیں الفاظ کی گئی ہے:

ان المرتد کافر لا محالۃ ولیس	مرتد لا محالہ کافر ہے نہ اسے مستامن سمجھا جائیگا
بمستامن لانہ لم یطلب الامان	کہ اس نے کوئی امان طلب نہیں کی اور نہ ذمی
ولا ذمی لانہ لا تقبل الجزیۃ منہ	ہی قرار دیا جائے گا کہ اس سے جزیہ بھی
فکان حربیاً۔ (عنایہ)	نہیں قبول کیا جاتا لہٰذا وہ حربی ٹھہرا۔

اب آپ دیکھ لیں کہ یہاں مرتد کون سی (ACTIVE HOSTILITY OR REBELLION) کا مرتکب ہو رہا ہے کہ جس کی پاداش میں صاحبِ ہدایہ اسے فی الفور قتل کا مستحق قرار دے رہے ہیں۔ یہاں جس معنیٰ میں مرتد کو حربی کہا گیا ہے وہ تو دراصل جمہور مسلمانوں کے موقف کی ترجمانی ہے جسے ہم آئندہ سطور میں وضاحت سے پیش کر رہے ہیں۔

۳- یہ ایک حقیقت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نظامِ حکومت کو قائم فرمایا تھا اور خلفائے راشدین نے جسے تیس سال تک کامیابی کے ساتھ چلایا اس کی بنیاد مذہبِ اسلام پر تھی۔ سوال یہ ہے کہ ایسی اسلامی حکومت میں اگر کوئی شخص پہلے اسلام قبول کرے اور بعدازاں مرتد ہو جائے تو کیا اس کا یہ اقدام مذہب کی بنیاد پر قائم ہونے والی ریاست کے خلاف بغاوت نہ سمجھا جائے گا؟ اسلام عام تصورِ مذاہب کے مطابق محض ایک مذہب نہیں بلکہ وہ ایک مذہبِ ریاست ہے ایک نظامِ حکومت ہے اور ایک سیاسی و اجتماعی ہیئت کا نام ہے۔ اسلام اپنی سیاسی و اجتماعی ہیئت کے ساتھ جب جلوہ گر ہو گا تو اس وقت ہی مرتد کو قتل کیا جائیگا آج کے دورِ زوال و انحطاط میں یہ اقدام نہیں ہو گا اور نہیں ہو سکتا فاضل مصنف اور اُن کے ہم خیال لوگوں کو ان حالات میں مطمئن رہنا چاہیئے۔ آج اگر کوئی امریکی اٹھ کر کہے کہ میں امریکہ کے آئین و قانون کو نہیں مانتا یا کوئی فرانسیسی، برطانوی یا روسی اور چینی قومیت رکھنے والا شخص اپنے دستور کے خلاف آواز اٹھائے اور اس سے انحراف و ارتداد اختیار کرنا چاہے تو بیسویں صدی کی یہ جدید روشن خیال حکومتیں اس شخص کو ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت نہ کریں گی۔

اگر موجودہ حکومتیں ایسے اشخاص کو ہلاک کرنے میں حق بجانب ہوں تو اسلامی نظامِ حکومت میں کسی شخص کے

ارتداد کو کیوں گوارا کیا جائے اور اس کے قتل کے لیے ACTIVE HOSTILITY OR REBELLION کا وجود کیوں ضروری ہو؟ آج اسلامی نظام نافذ نہیں شاید اسی لیے رحمان صاحب کھلم کھلا ارتداد کو ایک نا قابلِ مواخذہ جرم ثابت کر رہے ہیں ورنہ ایک قانونی ماہر ہونے کی حیثیت سے وہ ہم سے بہتر سمجھ سکتے ہیں کہ کسی حکومت کے باغیوں کی حمایت اور وکالت کرنے والا شخص اس حکومت کی نظر میں کتنا بڑا مجرم ہوتا ہے؟

۴- آخر میں ہم ایک اصولی بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔ رحمان صاحب نے مختلف کتبِ حدیث کی متعدد مرویات کو نقل کر کے ان میں سے بعض کی فنی کمزوریاں بیان کی ہیں، بعض کی نہایت گھٹیا تاویل کی ہے اور بعض کے معانی و مطالب میں تحریف تک کے مرتکب ہوئے ہیں۔ لیکن روایات کی کثرت سے ایک بات جو ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مرتد کی سزائے قتل کا موقف بہرحال ایک مضبوط موقف ہے کیونکہ اصولاً محض دوسرے اور تیسرے درجے کی کتبِ حدیث کی مرویات کی کثرت ہی مرتد کی سزائے قتل کا موقف مضبوط بنانے کے لیے کافی تھیں۔ لیکن اب تو بخاری و مسلم اور الموطا کی متواتر و مقبول احادیث بھی اسی موقف کی ترجمان ہیں۔ لہٰذا کسی حدیث کی فنی کمزوری کوئی پریشانی کی بات نہیں اس لیے کہ ایسی احادیث بخاری و مسلم کی مرویات کی تائید ہی کرتی ہیں۔

(APOSTASY AND THE SUNNAH) کے ساتویں جز میں رحمان صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پیش آنے والے بعض واقعات سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ارتداد کی سزا قتل نہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ سے اسی مفہوم کی ایک روایت ملتی ہے کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ایک بدو نے قبولِ اسلام کیا اور اطاعت و وفاداری کا حلف اٹھایا لیکن جلد ہی سخت بخار میں مبتلا ہو گیا۔ واپس آیا اور بیعت کی منسوخی کا مطالبہ کیا اس نے تین بار یہ مطالبہ کیا لیکن ہر بار انکار کر دیا گیا۔ بالآخر وہ چلا گیا اس شخص کو رسولِ پاک نے قتل نہیں کیا بلکہ صرف اتنا فرمایا کہ مدینہ کی مثال ایک بھٹی کی ہے جو کھوٹ کو اصل سے الگ کر دیتی ہے۔ اس کے بارے میں ہمارا موقف یہ ہے کہ یہ واقعہ اسلامی حکومت کے باقاعدہ قیام سے پہلے کا ہے۔ اور حدود کا نفاذ اسلامی حکومت ہی کر سکتی ہے۔

معاہدۂ حدیبیہ کی ایک دفعہ یہ تھی کہ اگر مدینہ کا کوئی باشندہ اسلام سے منحرف ہو جائے اور وہ مکہ

میں جاکر پناہ لے لے تو قریش اس کو واپس نہیں کریں گے۔ معاہدہ کی اس شق کے بارے میں رحمان صاحب یہ کہتے ہیں کہ اگر ارتداد کی سزا قتل ہوتی تو حضورؐ اس شق کو جو شریعت کے خلاف تھی کبھی قبول نہ فرماتے۔ اس کے بارے میں بھی ہمارا جواب وہی ہے جو پہلے دیا جا چکا ہے۔ معاہدہ حدیبیہ ذیقعدہ ۶ھ میں ہوا۔ اس وقت مکمل سیاسی اختیارات حضورؐ کے ہاتھ میں نہیں تھے۔

قیصرِ روم نے ابوسفیان کو اپنے دربار میں بلا کر ایک سوال یہ بھی کیا تھا کہ پیغمبرؐ خدا کے پیروؤں میں سے کوئی اسلام قبول کر کے منحرف بھی ہوا ہے یا نہیں تو ابوسفیان نے اس کا جواب نفی میں دیا تھا۔ فاضل مصنف نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر ارتداد کی سزا قتل ہوتی تو ابوسفیان کو اس موقع پر یہ ضرور کہنا چاہیے تھا کہ اسلام قبول کر کے کوئی مرتد کیسے ہو سکتا ہے؟ ایسا کرنے والے کا تو سر قلم کر دیا جاتا ہے۔ لیکن چونکہ ابوسفیان نے یہ نہیں کہا اس لیے ثابت ہو گیا کہ ارتداد کی سزا قتل نہیں۔ یہ واقعہ جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے صلح حدیبیہ سے متصلاً بعد کا ہے اُس وقت سزائے ارتداد کا حکم نازل نہیں ہوا تھا نہ حالات اس کے لیے سازگار تھے۔

تحویلِ قبلہ کے حکم پر بعض مسلمانوں کے اسلام سے انحراف اور کسی باز پرس کے نہ ہونے سے بھی رحمان صاحب نے یہی استدلال کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسی طرح واقعہ معراج کے ناقابلِ فہم ہونے کی بناء پر بھی بعض لوگ اسلام سے پھر گئے۔ اور ان کو بھی قتل نہیں کیا گیا یہ صورت بھی رحمان صاحب کے لیے اس امر کا ثبوت فراہم کر رہی ہے کہ ارتداد کی سزا قتل نہیں حالانکہ ان تمام واقعات کو نقل کر کے ان سے من مانے نتائج اخذ کرنے سے پہلے رحمان صاحب کو تاریخی حالات کا لحاظ کرنا چاہیئے تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنیادی طور پر لوگوں کو مسلمان بنانے کے لیے آئے تھے نہ کہ اسلام سے انحراف کرنے والوں کے لیے پہلے دن سے ہی آپ کو سزا دینے والا مقرر کیا گیا تھا۔ سزائے ارتداد کو چند منٹ کے لیے ایک طرف رہنے دیں سوال یہ ہے کیا باقی جرائم کی سزائیں آپؐ نے مبعوث ہوتے ہی دینا شروع کر دی تھیں۔ شراب، قمار، چوری اور زنا جیسے جرائم شروع سے ہی روحِ اسلام کے منافی سمجھے جاتے تھے لیکن ان کی تعزیر و حدود کا نفاذ مناسب حالات میں اپنے اپنے وقت پر ہوتا رہا۔ آخر ایک ارتداد ہی کے بارے میں سوچنے کا یہ انداز کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ جب اور جن حالات میں بھی کسی شخص سے فعل ارتداد کا صدور ہوا جھٹ سے اس کی گردن قلم کی جانی چاہیئے تھی۔

بعض منافقین کی ارتداد پر مبنی سرگرمیوں کے باوجود ان پر کوئی گرفت نہ ہونے سے بھی رحمان صاحب سزائے ارتداد کی نفی کرتے ہیں۔ حالانکہ ارتداد اعلان و اظہار کی صورت میں سامنے آتا ہے جبکہ نفاق دل کی

ایک پوشیدہ بیماری کا نام ہے اور شریعت کا فیصلہ ظاہر پر نافذ ہوتا ہے باطن پر نہیں چونکہ منافقین بظاہر تمام ارکانِ اسلام کی پابندی کرتے تھے ۔ اور کسی غلطی کے ارتکاب پر جھوٹی قسم بھی کھا لیتے تھے اس لیے شریعت کی تعزیرات و حدود کی زد میں آنے سے بچ جاتے تھے رہا ان کے نفاق و ارتداد کا خدا کے علم میں ہونا تو محض اپنے علم کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ دنیا میں کسی پر گرفت نہیں کرتے تیز حضور کے زمانہ کے منافقین کی گرفت اگر وحی کی بنیاد پر ہو جاتی تو بعد کے منافقین کا کیسے پتہ چلایا جاتا ۔ سزا دینا تو بعد کی بات ہے ۔

(APOSTASY AND THE SUNNAH) کی بحث کے اختتام پر ایک بار پھر رحمٰن صاحب نے اس امر کا اظہار کیا ہے کہ چونکہ رسولِ پاک کے ارشادات در باب سزائے ارتداد کا مخصوص پس منظر معرضِ خفا میں ہے لہٰذا ان ارشادات کو قرآن کے ساتھ ہم آہنگ کیا جائے گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے خلاف کوئی بات نہیں کہہ سکتے ۔ حالانکہ ارتداد یا کفر بعد اسلام کا ذکر جہاں قرآن میں آیا ہے وہاں اس اقدام کی سنگینی و شدت کا ذکر موجود ہے ۔ ایک مقام پر فرمایا فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۔ (ان لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے) ۔ ایک دوسری جگہ فرمایا لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ (ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی اور یہی لوگ گمراہ ہیں) سورۃ توبہ میں فرمایا وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۔ (اور اگر یہ منہ پھیر لیں گے تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں انہیں عذاب الیم دے گا) ۔ قرآن کی ان آیات کو دیکھنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ رسولِ پاک نے ارتداد کی سزا قتل جو مقرر فرمائی ہے وہ قرآن کے خلاف ہے ۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی کہے کہ قرآن میں صرف اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ کا حکم آیا ہے لہٰذا رسولِ پاک نے اقامتِ صلوٰۃ کی جو تفصیلات بیان فرمائی ہیں وہ قرآن کے خلاف ہیں یا نصابِ زکوٰۃ کی تعیین کر کے آپؐ نے معاذ اللہ حکمِ قرآن وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ کی خلاف ورزی کی ہے ۔ قرآن کی اسی تبیین و تشریح کی بناء پر محقق علمائے اُمت نے السنة قاضية على الكتٰب کا موقف اختیار کیا ہے ۔ جس کی تشریح شیخ خضری کے الفاظ میں یہ ہے :

ليس معنى قضاء السنة على	قضاء السنۃ علی الکتاب کا یہ معنی نہیں کہ کتاب
الكتاب انها مقدم فى الاعتبار	اللہ کو نظر انداز کر کے سنت کو اس پر مقدم
عليه ويطرح الكتاب بل معنى ذلك	کر لیا جائے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ سنت
انها تبين المراد به فبيان السنة	کتاب اللہ کی مراد اور مفہوم کی وضاحت کرتی

هو مراد الكتاب فكان السنة بمنزلة التفسير والشرح للكتاب دل على ذلك قوله تعالى (لتبين للناس ما نزل اليهم) فاذا حصل بيان قوله تعالى (والسارق والسارقة فاقطعوا ايديهما) بان القطع من الكوع وان المسروق نصاب فاكثر من حرز مثله فذلك هو المعنى المراد من الاية لان السنة اثبتت هذه الاحكام دون الكتاب كما اذا بين لنا احد المفسرين معنى اية او حديث فعملنا بمقتضاه فلا يصح ان نقول انا عملنا بقول المفسر فلا دون ان نقول عملنا بقول الله ورسوله وهكذا سائر ما بينته السنة

(اصول الفقه ص۲۶۸)

سب ہے اور سنت کی وضاحت کتاب اللہ کی حقیقی مراد ہوتی ہے۔ اس طرح سنت کتاب اللہ کے لیے بمنزلہ تفسیر و شرح کے ہے ہمارے اس اصول کی تائید خود قرآن سے ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (اے نبی تمہاری ذمہ داری یہ ہے کہ لوگوں کے لیے نازل کردہ تعلیمات کی تبیین و تشریح کرو) پس جب قرآن پاک کا یہ حکم نازل ہوا کہ (چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھوں کو کاٹ دو) تو سنت سے معلوم ہوا کہ ہاتھوں کو گھٹنے سے کاٹا جائے نیز مالِ مسروقہ کی مقدار یا اس سے زیادہ جو کسی محفوظ مقام سے چرایا جائے یہ تفصیل بھی سنت نے ہی بتائی۔ اور یہی معنی مراد ہے اس آیت کا۔ السنۃ قاضیۃ علی الکتاب کا یہ معنی نہیں کہ سنت ان احکام کا اثبات کتاب اللہ سے ہٹ کر کرتی ہے۔ جس طرح کوئی مفسر کسی آیت یا حدیث کے معنیٰ کی وضاحت کرے اور ہم اُس کے مقتضاء پر عمل پیرا ہو جائیں تو یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ ہم فلاں مفسر کے قول پر عمل کرتے ہیں بلکہ اس کے برعکس ہمارے لیے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ہم اللہ اور اس کے رسول کے قول پر عمل پیرا ہیں۔ اور یہی معاملہ سنت کے تمام بیان کردہ امور کا ہے۔

خلفائے راشدین کا عمل | جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے جناب ایس اے رحمان صاحب اپنا پورا زور استدلال اس بات پر صرف کر رہے ہیں کہ محض ارتداد کی اسلام میں کوئی سزا نہیں اور اگر قرون اولیٰ میں کسی کو سزائے قتل دی گئی ہے تو وہ دراصل محاربہ و بغاوت کی سزا تھی، ارتداد کی سزا نہیں تھی۔ چنانچہ اپنے اس موقف کو مبنی برحق ثابت کرنے کے لیے موصوف کو تاریخی واقعات میں اگر کہیں حرب و بغی یا اس کے لیے تحریض کا شائبہ تک کہیں نظر آیا تو انہوں نے اس واقعہ کو اپنے موقف کی تائید میں درج کر دیا قطع نظر اس سے کہ وہ کس پس منظر اور کس تناظر میں وہاں درج کیا گیا تھا۔

کتاب کے تیسرے باب "ارتداد اور خلافت راشدہ" کا آغاز آنجناب نے اس بات سے کیا ہے کہ بیان کیا جاتا ہے کہ اُم قرفہ (ایک عورت کی کنیت (فاضل مصنف اسے ام فرقہ پڑھتے رہے ہیں) کو مرتد ہو جانے کی بناء پر سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔ یہ عورت مرتد ہونے کے علاوہ اپنے تیس بیٹوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی تاکید و تحریض کا باغیانہ اقدام کرتی تھی اور اسی وجہ سے حضرت ابوبکر نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا تھا پس حضرت ابوبکر کے اس اقدام کو سزائے ارتداد پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے نیچے امام سرخسی کی کتاب المبسوط ج ۱۰ ص ۱۱۱ کا حوالہ درج ہے۔

لیکن آپ المبسوط کا متعلقہ باب نکال کر دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہاں جس سباق و سیاق میں یہ بات لکھی گئی ہے وہ یہ ہے کہ شوافع مرتد عورت کو قتل کر دینے کے قائل ہیں۔ امام سرخسی نے ان کے اس مسلک کے دلائل بیان کرنے کے بعد احناف کا مسلک بھی بیان کیا ہے جس کی رو سے مرتد ہو جانے والی عورت کو قتل کرنے کے بجائے قید کیا جائے گا تا آنکہ یا تو وہ توبہ کرے یا قید ہی میں پڑی پڑی مر جائے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ بہر حال امام سرخسی نے فقہ حنفی کا دفاع کرتے ہوئے شوافع کے مسلک کی تائید میں جانے والے اس اثر کو کہ حضرت ابوبکرؓ نے ام قرفہ کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا کے مختلف احتمالات کی یہ توجیہ بھی پیش کی ہے کہ وہ اپنے تیس بیٹوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی تحریض و ترغیب دیتی تھی۔ امام موصوف کی المبسوط میں یہ ساری بحث دیکھنے کے بعد جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے ائمہ نفسِ ارتداد کی سزائے قتل پر تو پوری طرح متفق ہیں البتہ اس مسئلہ میں بعض فروعی اختلافات پائے جاتے ہیں جن میں سے ایک اوپر بیان ہوا ہے۔ تاہم اس اختلاف کا بھی کوئی فائدہ جناب ایس اے رحمٰن صاحب کو نہیں پہنچتا اس لیے کہ مرتد ہو جانے والی عورت کو فقہاء اپنے فروعی اختلافات کے باوجود کھلی چھٹی دے دینے کے قائل نہیں ہیں جو رحمٰن صاحب

کا موقف ہے۔ وہ اسے قید میں ڈالنا ضروری سمجھتے ہیں۔

یہاں ضمناً ایک بات ہم اور کرنا چاہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ فاضل مؤلف نے اپنی کتاب میں مسلمانوں کی متعدد گراں قدر اور عظیم الشان کتب کے حوالے درج کیے ہیں جن سے ان کی کتاب کا کم پڑھا لکھا قاری یہ تاثر قائم کر سکتا ہے کہ رحمان صاحب کے موقف کا بھی کچھ نہ کچھ وزن تو ضرور ہے اور ہمارے اسلاف کی کتب میں بھی ایسا مواد موجود ہے جو ان کے موقف کی تائید کرتا ہے لیکن آپ اسی المبسوط ہی کے باب المرتدین کا مطالعہ کر کے دیکھ لیں جو بڑے سائز کے پچیس صفحات پر پھیلا ہوا ہے آپ کو رحمن صاحب کے موقف کی قدم قدم پر تردید ہوتی نظر آئے گی۔ یہی حال امام طحاوی کی شرح معانی الآثار، امام طبری کی تاریخ اور امام فخرالدین رازی کی تفسیر کے اقتباسات و حوالہ جات کا ہے ہم نے ان چند کتب کا نام اس لیے لیا ہے کہ اسی باب میں خاص طور پر ان کا ذکر آ رہا ہے اور یہ سارے حضرات قتل مرتد کے قائل ہیں۔ یہ عجیب طرح کی ریسرچ ہے کہ ہمارے ائمہ و اسلاف اور ان کی تمام کتابیں جس موقف کی سراسر تردید کرتی ہیں اس کی تائید میں انہی بزرگوں کا نام اور کام بے دریغ استعمال کیا جا رہا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عہد صدیقی میں طوفانِ ارتداد اٹھ کھڑا ہوا جس کی زد میں عرب کے بیشتر مسلم قبائل بہہ گئے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ ہمت اور توفیق دی کہ انہوں نے ان مرتدین کے خلاف جہاد و قتال کر کے ان کی مکمل سرکوبی کی۔ رحمن صاحب نے تفسیر کبیر کے حوالہ سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان قبائل نے ارتداد کے ساتھ ساتھ بغاوت کا بھی ارتکاب کیا تھا اور نتیجۃً رسول پاک کے تعینات کردہ عمال کو اپنے علاقوں سے نکال باہر کیا تھا۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اُن کے خلاف جو کارروائی کی وہ درحقیقت اس جرم بغاوت کے خلاف تھی نہ کہ ارتداد کے خلاف۔ لیکن اگر آپ تفسیر کبیر کا متعلقہ حصہ نکال کر دیکھیں تو وہاں آپ کو دوسری ہی صورت نظر آئے گی۔ امام رازی نے گیارہ مرتد قبائل کا ذکر کیا ہے جن میں سے تین قبائل بنو مدلج، بنو حنیفہ اور بنو اسد رسولِ پاک کے عہدِ مبارک میں مرتد ہوئے اور آنحضورؐ نے ان کے ارتداد اور باغیانہ اقدامات پر گرفت کی اور اپنے گورنر کو لکھا کہ ان کی سرکوبی کرے۔ سات قبائل نے حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں دین حق سے ارتداد کیا اور آپ نے ان کے خلاف فوج کشی کی اور ایک قبیلہ کا ارتداد دورِ فاروقی میں ثابت ہے۔ امام رازی نے عہدِ رسالت کے مرتدین کے باغیانہ اقدامات کا تو ذکر کیا ہے

مگر عہدِ صدیقی کے مرتدین کے صرف ارتداد ہی کا ذکر کیا ہے ان کی بغاوت کا کوئی تذکرہ نہیں کیا مگر رحمان صاحب کی چابکدستی و فن کاری ملاحظہ ہو کہ خلیفۂ اول کے زمانے میں اٹھنے والے طوفانِ ارتداد کی بحث میں بطور ثبوت عہدِ رسالت کے مرتدین کے باغیانہ اقدامات بیان کر دیے اور قاری کو تاثر یہ دیا کہ عہدِ صدیقی کے مرتدین نے بھی محض ارتداد ہی نہیں بلکہ اسلامی حکومت کے خلاف بغاوتیں کی تھیں جنہیں فرو کرنے کے لیے جناب صدیق اکبرؓ نے فوج کشی کی۔ (تفسیر کبیر سورۃ المائدہ: ۵۴)

اسی طرح تاریخ الطبری کے حوالہ سے جناب شیخ عبدالرحمن نے لکھا ہے کہ وہ درحقیقت باغی قبائل تھے جنھوں نے عہدِ صدیقی میں زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کیا اور ذمہ دارانِ ریاست کی حکم عدولی کی۔ نیز یہ کہ "چونکہ زکوٰۃ کی فراہمی کا بندوبست حکومت کرتی تھی اس لیے حکومت کو زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کا مطلب حکومت کے اختیارات کو چیلنج کرنا تھا جو بغاوت پر ہی محمول کیا جا سکتا ہے" اور اس بغاوت کو فرو کرنا بہرحال حکومت کا فرض تھا جو ادا کیا گیا۔ اس کارروائی کو صرف ارتداد کے خلاف سمجھنا درست نہیں۔

لیکن اگر آپ تاریخ الطبری کا مطالعہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ابوجعفر محمدؐ بن جریر الطبری کی نظر میں حضرت ابوبکر کی خلافت کا پہلا سال ——— السنۃ الحادیۃ العشرۃ ——— تھا ہی سالِ ارتداد و انحراف۔ اس بات کا اندازہ ہجرت کے گیارھویں سال کے حوادث و واقعات کی فہرست پر ہی ایک نظر ڈالنے سے ہو جاتا ہے۔ مزید برآں خلیفۂ اول جناب ابوبکر صدیقؓ کی شہادت بھی اسی سلسلہ کی معتبر ترین دستاویز ہے کیونکہ رسولِ پاکؐ کی وفات کے بعد اسلامی حکومت جس اضطراب سے دوچار ہوئی اس کا براہِ راست تعلق جناب صدیق ہی سے تھا اس لیے آپ ہی بہتر طور پر بتا سکتے ہیں کہ وہ اضطراب، ارتداد کا پیدا کردہ تھا یا اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کا نیز یہ کہ ان میں سے کس کا انسداد و استیصال خلیفۂ اول کے نزدیک اہم تر اور اولیت کا مستحق تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی یہ شہادت تاریخ طبری ہی میں ہمیں ان کے ایک مکتوب سے ملتی ہے جسے آپ نے مرتد قبائل کے نام لکھا تھا اور جس میں آپ نے اپنے امراء کو کچھ وصیتیں کی تھیں۔ مکتوب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

من ابی بکر خلیفۃ رسول اللہ صلی	ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب کی
اللہ علیہ وسلم الی من بلغہ کتابی	طرف سے عوام و خواص سے تعلق رکھنے والے

اور حج میں تفریق روا ہے بلکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کلمۂ طیبہ، نماز، روزہ اور حج کی جگہ تنہا لفظ نماز بولنا کافی سمجھا ہے کہ یہ سب بدنی عبادتیں ہیں جبکہ زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔ حضرت صدیق اکبر کا مطلب یہ ہے کہ جس خدا کے حکم سے یہ بدنی عبادتیں انسان پر فرض ہوئی ہیں اسی خدا نے مالی عبادت (زکوٰۃ) کو بھی واجب ٹھہرایا ہے لہٰذا اگر زکوٰۃ کا انکار کیا جائے تو باقی عبادات کا آپ سے آپ انکار لازم آتا ہے۔ عرض کرنے کا منشا یہ ہے کہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نزدیک ادائے زکوٰۃ سے انکار اسلام سے انحراف و ارتداد کے مترادف تھا اس لیے آپ نے مانعین زکوٰۃ کے خلاف بلا تامل اعلانِ جنگ کر دیا جس پر بالآخر تمام صحابہ کرام نے اتفاق کیا۔

۲۔ اگر ایک لحظہ کے لیے فرض کر لیا جائے کہ زکوٰۃ بھی دوسرے محاصل کی طرح ایک سرکاری محصول ہی تھا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دنیا کی کونسی ایسی حکومت ہے جو محض کسی محصول کے ادا نہ کرنے پر اپنے شہریوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیتی ہو۔ محصول ادا نہ کرنے پر انہیں جرمانہ کیا جا سکتا ہے ان کی جائداد ضبط کی جا سکتی ہے یا پھر انہیں قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا کیا جا سکتا ہے ان کے ساتھ جنگ کرنے کی ضرورت آج تک دنیا کی کسی حکومت نے محسوس نہیں کی۔

مانعین زکوٰۃ کے سلسلہ میں خلیفہ اول نے جو رویہ اختیار کیا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جس سے کامل اتفاق کیا اور بعد ازاں تابعین عظام اور آئمہ دین نے جسے تعلیماتِ دین کے عین مطابق قرار دیا اس سے ہمارے اس موقف ہی کی تائید ہوتی ہے کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے چاہے وہ خدا کی توحید اور رسول کی رسالت کا انکار کر کے مرتد ہوا ہو یا ادائے زکوٰۃ کا انکار کر کے۔ (باقی)

(بقیہ صفحہ ۸)

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنْجَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَٰلِكُمْ بَلَاءٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ۔ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ۖ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ۔

(ابراہیم: ۶-۷)

یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ اس نے تم کو آل فرعون سے نجات دلائی جو تم کو سخت تکلیفیں دیتے تھے تمہارے لڑکوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ بچا رکھتے تھے اس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی اور یاد رکھو تمہارے رب نے خبردار کر دیا تھا کہ اگر تم شکر گزار رہو گے تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا اور اگر کفران نعمت کرو گے تو میری سزا بہت سخت ہے

منكم عن دينه بعد ان اقر بالاسلام وعمل به اغترارا بالله وجهالة بامره واجابة للشيطان۔

کی مجھے خبر پہنچی ہے جس نے بھی اسلام کا اقرار کرنے اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کے بعد اپنے دین سے انحراف کیا اللہ تعالیٰ کے معاملے میں دھوکا کھا کر، اس کے امر سے جاہل رہتے ہوئے اور شیطان کی بات قبول کر کے۔

بعدازاں جنابِ صدیقِ اکبرؓ قرآنِ پاک کی آیات نقل کر کے اس حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں کہ شیطان روزِ اول سے ہی انسان کا بدترین دشمن چلا آ رہا ہے اور اس کی ہر وقت یہ کوشش رہتی ہے کہ اولادِ آدم کو خدا کے احکام سے برگشتہ کرے اور اس کی نافرمانی پر اکسائے لہٰذا شیطان اور اس کی ذریت کے جھانسے میں نہیں آنا چاہیے۔ آخر میں لکھتے ہیں:۔

واني بعثت اليكم فلانا في جيش من المهاجرين والانصار والتابعين باحسان وامرته الا يقاتل احدا ولا يقتله حتى يدعوه الى داعية الله ۔ فمن استجاب له واقر وكف وعمل صالحا قبل منه واعانه عليه ومن ابى امرت ان يقاتله على ذلك ثم لا يبقي على احد منهم قدر عليه وان يحرقهم بالنار ويقتلهم كل قتلة وان يسبي النساء والذراري ولا يقبل من احد الا الاسلام فمن اتبعه فهو خير له ومن تركه فلن

اور میں نے فلاں آدمی کو انصار و مہاجرین اور احسان میں ان کی پیروی کرنے والوں پر مشتمل ایک لشکر دے کر تمہاری طرف بھیجا ہے اور اسے حکم دیا ہے کہ وہ کسی سے نہ لڑائی کرے نہ کسی کو قتل کرے جب تک کہ اسے اللہ کے دین) کی طرف دعوت نہ دے لے پھر جس نے اسے قبول کر لیا اور اس کا اقرار کیا اور انکار و ارتداد سے باز رہا اور عمل صالح کیا اس کے عہد و پیمان کو قبول کرلے اور اس معاملے میں اس کی مدد کرے اور جس نے دعوت الی اللہ کا انکار کیا میں نے سالارِ لشکر کو حکم دیا ہے کہ وہ اس انکار کی بنا پر اُس سے لڑائی کرے اور ان میں سے جس جس پر قادر ہو ذرہ برابر

يعجز الله -

رحم نہ کرے ان کو آگ میں جلا ڈالے اور ان کا
مکمل استیصال کر دے - نیز یہ کہ ان کی عورتوں
اور بچوں کو غلام بنالے اور ان سے اسلام کے
علاوہ کوئی چیز قبول نہ کرے کیونکہ جو شخص
دینِ اسلام کو ترک کر دے گا وہ اللہ تعالیٰ کو
ہرگز عاجز نہ کر سکے گا۔

(تاریخ طبری الجزء الثالث ص ۲۵۰-۲۵۱ مطبوعہ دار المعارف مصر)

خلیفۂ راشد کے اس طویل مکتوب کے اقتباسات ہم نے اس لیے دیے ہیں تاکہ لوگوں کو خود ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی معلوم ہو سکے کہ اطراف و اکنافِ عرب میں ان کی لشکر کشی کا باعث کیا چیز تھی فتنۂ ارتداد یا شورش و بغاوت - آپ اس پورے مکتوب کو پڑھ جائیں آپ کسی ایک جگہ کی بھی نشاندہی نہیں کر سکتے جس میں ارتداد کے علاوہ کسی اور چیز کا ذکر ہو۔

تاریخ طبری کے بعض دیگر مقامات سے بلاشبہ اس امر کا بھی پتہ چلتا ہے کہ مرتد ہونے والے قبائل کے بعض افراد باغیانہ سرگرمیوں میں ملوث پائے گئے اسی طرح عمدۃ القاری کے ایک اقتباس سے بھی جسے فاضل مؤلف نے نقل کیا ہے، صورتِ حالات کے اس پہلو پر روشنی پڑتی ہے مگر شورش و بغاوت کے ان معدودے چند واقعات سے یہ بہرحال ثابت نہیں ہوتا کہ مرتد ہونے والا ہر قبیلہ اور اس قبیلے کا ہر فرد جرمِ بغاوت ہی کا مرتکب ہوا جس کے لیے ہر مرتد قبیلے کی طرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فوج کشی کرنا پڑی۔

ہمارا موقف یہ ہے کہ ہنگامۂ ارتداد وسیع پیمانے پر بپا ہوا اور اس کے ساتھ ہی کہیں کہیں جرمِ بغاوت کا ارتکاب بھی کیا گیا، مگر خلیفۂ راشد کی نظر میں اہم تر فتنہ فتنۂ ارتداد ہی تھا اور اسی کی سرکوبی کے لیے پوری سرگرمی دکھائی گئی - اب اگر کوئی صاحب کہیں کہ محض ارتداد کی سرکوبی کی کوئی کوشش نہیں کی گئی بلکہ بغاوتوں کو فرو کیا گیا تھا تو انہیں ہر قبیلے کے بارے میں ثابت کرنا ہوگا کہ اس کے فلاں فلاں باغیانہ اقدامات کی بناء پر اس کے خلاف جہاد و قتال کیا گیا - مورخینِ اسلام جہاں اور معمولی معمولی باتوں کی نشاندہی کرتے ہیں وہاں مرتد قبائل کے باغیانہ اقدامات سے، اگر وہ فی الواقع کیے گئے ہوتے - صرفِ نظر نہیں کر سکتے تھے۔

عہد صدیقی کے واقعات پر بحث کرتے ہوئے فاضل مؤلف نے ایک جگہ لکھا ہے کہ اگر ارتداد کی سزا فی الواقع قتل ہی ہوتی تو عیینہ بن حصن اور قرہ بن ہبیرہ کو مرتد ہونے کے باوجود سزا سے مستثنیٰ کیوں کیا گیا؟ یہ بات صاحبِ موصوف نے تاریخ طبری کے حوالہ سے کہی ہے لیکن تاریخ طبری ہی میں ان کے بارے میں جو صراحت کی گئی ہے نہ معلوم اسے فاضل مصنف نے کیوں نظرانداز کر دیا ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ عیینہ بن حصن ایمان ہی نہیں لائے تھے۔ اور وہ برملا اس کا اظہار کرتے تھے:

واللہ ما کنت آمنتُ باللہ قط۔ فتجاوز عنہ ابو بکر وحقن لہٗ دمہٗ۔	بخدا میں کبھی ایمان ہی نہیں لایا تھا (مرتد ہونے کا سوال کیسے پیدا ہو گیا) چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی سزا موقوف کر دی اور اسے بچا لیا۔

رہا قرہ بن ہبیرہ کا معاملہ تو وہ خود مسلمان ہی رہے تھے اور ان کے اسلام کے شاہد حضرت عمرو بن العاص تھے البتہ انہیں اخذِ زکوٰۃ کے باب میں بنی عامر کے قلبی احساسات حضرت عمرو بن العاص تک منتقل کرنے کی بناء پر دھر لیا گیا کہ کہیں ان کے بھی یہی خیالات نہ ہوں مگر بعد میں جب حضرت ابوبکرؓ پر حقیقتِ حال واضح ہوئی تو آپ نے انہیں چھوڑ دیا۔

(تاریخ الطبری الجزء الثالث صفحہ ۲۶۰)

مانعینِ زکوٰۃ کے بارے میں ہم رحمٰن صاحب کا موقف پہلے نقل کر چکے ہیں کہ اس وقت زکوٰۃ حکومت وصول کرتی تھی اور حکومت کو زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا مطلب اس کے اختیارات کو چیلنج کرنا اور اس کے خلاف بغاوت کرنا تھا مگر ہمارے نزدیک جسٹس صاحب کا یہ موقف بوجوہ غلط ہے۔

۱۔ زکوٰۃ حکومت کا عائد کردہ کوئی محصول (STATE IMPOST) نہیں جیسا کہ رحمٰن صاحب کا خیال ہے بلکہ نماز کی طرح ایک عبادت اور دینی فریضہ ہے اور اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔ پس ادائے زکوٰۃ سے انکار درحقیقت ایک رکنِ دین کا انکار ہے جسے معمولی چیز سمجھ کر نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ارکانِ دین کے انکار کا سلسلہ اگر ایک دفعہ شروع ہو جائے تو پھر وہ کہیں رک نہیں سکتا اسی لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نماز اور زکوٰۃ میں تفریق پر اعلان جنگ کر دیا۔ یہاں اس امر کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ نماز اور زکوٰۃ میں عدمِ تفریق کا یہ مطلب نہیں کہ نماز، روزہ یا روزہ

اور حج میں تفریق روا ہے بلکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کلمۂ طیبہ، نماز، روزہ اور حج کی جگہ تنہا لفظ نماز بولنا کافی سمجھا ہے کہ یہ سب بدنی عبادتیں ہیں جبکہ زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔ حضرت صدیق اکبر کا مطلب یہ ہے کہ جس خدا کے حکم سے یہ بدنی عبادتیں انسان پر فرض ہوئی ہیں اسی خدا نے مالی عبادت (زکوٰۃ) کو بھی واجب ٹھہرایا ہے لہٰذا اگر زکوٰۃ کا انکار کیا جائے تو باقی عبادات کا آپ سے آپ انکار لازم آتا ہے۔ عرض کرنے کا منشا یہ ہے کہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نزدیک ادائے زکوٰۃ سے انکار اسلام سے انحراف وارتداد کے مترادف تھا اس لیے آپ نے مانعین زکوٰۃ کے خلاف بلا تامل اعلانِ جنگ کر دیا جس پر بالآخر تمام صحابہ کرام نے اتفاق کیا۔

۲۔ اگر ایک لمحظہ کے لیے فرض کر لیا جائے کہ زکوٰۃ بھی دوسرے محاصل کی طرح ایک سرکاری محصول ہی تھا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دنیا کی کونسی ایسی حکومت ہے جو محض کسی محصول کے ادا نہ کرنے پر اپنے شہریوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیتی ہو۔ محصول ادا نہ کرنے پر انہیں جرمانہ کیا جاسکتا ہے ان کی جائداد ضبط کی جاسکتی ہے یا پھر انہیں قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا کیا جاسکتا ہے ان کے ساتھ جنگ کرنے کی ضرورت آج تک دنیا کی کسی حکومت نے محسوس نہیں کی۔

مانعین زکوٰۃ کے سلسلہ میں خلیفہ اول نے جو رویہ اختیار کیا اور صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین نے جس سے کامل اتفاق کیا اور بعد ازاں تابعین عظام اور آئمہ دین نے جسے تعلیماتِ دین کے عین مطابق قرار دیا اس سے ہمارے اس موقف ہی کی تائید ہوتی ہے کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے چاہے وہ خدا کی توحید اور رسول کی رسالت کا انکار کر کے مرتد ہوا ہو یا ادائے زکوٰۃ کا انکار کر کے۔ (باقی)

(بقیہ صفحہ ۸)

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنجَاكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَٰلِكُم بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ۝ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ۖ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۔

(ابراہیم: ۶-۷)

یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ اس نے تم کو آل فرعون سے نجات دلائی جو تم کو سخت تکلیفیں دیتے تھے تمہارے لڑکوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ بچا رکھتے تھے اس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی اور یاد رکھو تمہارے رب نے خبردار کر دیا تھا کہ اگر تم شکر گزار بنو گے تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا اور اگر کفران نعمت کرو گے تو میری سزا بہت سخت ہے

کسی قوم کا لین دین اور ماپ تول میں کمی بیشی کرنا، دھوکے اور فریب سے بندگانِ خدا کو لوٹنا اور ایسی چالیں چلنا جن سے دوسروں کے مفادات کو نقصان پہنچا کر اپنا الو سیدھا کرنا ممکن ہو ـــــــ یہ سب امور بھی غضبِ الٰہی کو دعوت دینے والے ہیں اور ان جرائم کے مرتکب افراد ہوں یا اقوام اللہ کے عذاب کی لپیٹ میں آنے سے انہیں کوئی طاقت بچا نہیں سکتی۔ غور سے سنیئے حضرت شعیبؑ اپنی قوم کو کن امور پر متنبہ فرما رہے ہیں۔

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّىْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ۔ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاۗءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۔ (ھود: ۸۴-۸۵)

فرمایا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ماپ اور تول میں کمی نہ کرو۔ آج میں تمہیں آسودہ حال دیکھتا ہوں مگر تمہارے بارے میں ایک گھیر لینے والے دن کے عذاب سے بہت ڈرتا ہوں۔ اور اے میری قوم ماپ اور تول انصاف کے ساتھ پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور نہ زمین میں فساد مچاتے پھرو۔

اسی طرح کسی قوم میں فسق و فجور اور فواحش کا فروغ بھی اُس کو خدا کے غضب کا مستحق بنا دیتا ہے۔ قومِ لوط کو پتھروں کی بارش برسا کر جس بری طرح تہس نہس کر دیا گیا تھا اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اس قوم کے افراد سرِعام برائی اور بے حیائی کے کام کرتے تھے نتیجۃً اللہ کا عذاب اِس خوفناک طریقے سے بھڑکا کہ اُس کے بھیانک پن کا اندازہ آج بھی اس علاقے کے کھنڈرات اور آثار و شواہد کو دیکھ کر لگایا جا سکتا ہے۔

اِن صفحات میں عذابِ الٰہی کے نزول کے اسباب کی نشاندہی سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ اہلِ پاکستان اس باب میں اللہ کی سنت کو اچھی طرح جان لیں اس لیے کہ جن جرائم کی بدولت پہلی قومیں تباہ و برباد کر دی گئی ہیں اگر ان جرائم کا ارتکاب آج کوئی قوم کرتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اللہ کے احتساب اور گرفت سے بچ جائے وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔ ہمیں اس آئینے میں اپنا چہرہ دیکھنا چاہیئے اور پھر سوچنا چاہیئے کہ سقوطِ مشرقی پاکستان، افواجِ پاکستان کی اسارت، گرانی و معیشت، خشک اور موجودہ سیلابِ بلاخیز جیسے ہولناک مصائب ہم پر کیوں پے در پے نازل ہو رہے ہیں فاعتبروا یا اولی الابصار۔

آخر میں ہم مختصر طور پر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ عذابِ الٰہی کے ٹلنے کی صورت کیا ہے؟ اس معاملے میں کتاب اللہ ہماری پوری پوری رہنمائی کرتی ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ کامل جذبۂ عجز و انکساری اور اعتراف گناہ کے ساتھ اس

رہنمائی کو قبول کریں اور اس پر عمل پیرا ہو جائیں۔

وَاَنِیْبُوْٓا اِلٰی رَبِّکُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ (الزمر: ۵۴)

اور اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو اور اس کے فرمانبردار بن جاؤ اس سے پیشتر کہ تم پر عذاب آئے۔ پھر کوئی تمہاری مدد کو نہ پہنچے گا۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰکِنْ کَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ۔ (الاعراف: ۹۶)

اور اگر مختلف بستیوں کے باشندے ایمان لے آتے اور پرہیزگار بن جاتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی نعمتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے ان کو ان کے اعمال کی پاداش میں پکڑ لیا۔

وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِیْهِمْ ۭ وَمَا کَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ۔ (الانفال: ۳۳)

اور اللہ ہرگز ان پر عذاب نہ بھیجتا جب تک آپ ان کے درمیان رہتے اور اللہ ہرگز ان پر عذاب نازل نہ کرے گا جب تک وہ معافی مانگتے رہیں۔

ان آیات کے مطالعہ سے واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ توبہ و انابت اور رجوع الی اللہ عذابِ الٰہی کو دفع کرنے والے اعمال ہیں اسی طرح خدا اور رسول اور یوم آخرت پر ایمان لانا کتابِ الٰہی کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا اور پرہیزگاری و خداترسی کی زندگی بسر کرنا بھی ذاتِ حق کی رضا اور خوشنودی کا باعث ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ان اوصاف کی حامل قوموں پر زمین و آسمان کے رزق کے خزانے کھول دیتے ہیں اور خوشحالی و فارغ البالی کا دور دورہ ہو جاتا ہے نیز کسی قوم میں اللہ کے پیغمبر کا وجود بھی باعثِ رحمت ہوتا ہے اور اس وجودِ مقدس کی برکتوں سے وہ اللہ کے عذاب سے مامون و مصئون رہتی ہے اسی طرح اولیاء و صلحاء اور اہل اللہ کا وجود بھی قوموں سے عذابِ الٰہی کو ٹالتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے رہنا بھی وہ موثر عمل ہے جسے اگر خلوص دل سے کیا جائے تو اللہ کی رحمت کو یقیناً جوش آجاتا ہے اور افراد و اقوام کی فردِ عمل چاہے وہ کتنی ہی سیاہ کیوں نہ ہو یکسر دھل جاتی ہے۔

پس ہمیں چاہیئے کہ اپنے اوپر نازل ہونے والے ان پے درپے حوادث سے بچاؤ کے لیے اللہ کی طرف رجوع کریں اس کے دین کی تعلیمات کا دامن مضبوطی سے تھام لیں اور منکرات و فواحش سے کامل اجتناب کریں۔ اُس کی بارگاہ میں سر نیاز جھکا کر ہر وقت توبہ و استغفار کرتے رہیں کہ صرف وہی ذات ہے جو ہمارے درد و غم کا مداوا کر سکتی ہے اور مشکل مسائل حیات کو حل کر کے ہمیں امن و سکون سے ہمکنار کر سکتی ہے۔ وما علینا الا البلاغ